ڈاکٹر عبدالمجید یزدانی

نفیس فتح پوری کی بہاریہ تشابیب

(۱)

نفیس فتح پوری مرحوم سے راقم کی پہلی ملاقات کوئی ۱۴ - ۱۵ برس قبل بہاول پور میں محب مکرم عبدالمجید صاحب ارشد کے دولت کدہ پر ہوئی تھی، جہاں ان دنوں ہر ہفتے شام کے وقت چند شعرا جمع ہو کر اپنے تازہ کلام سے احباب کو نوازا کرتے تھے۔ ان مشاعروں میں راقم بھی ایک سامع کی حیثیت سے باقاعدگی کے ساتھ شریک ہوا کرتا تھا، جس کے سبب نفیس مرحوم سے میری دوستی ہو گئی۔ ایک موقع پر جب بہاول پور پریس کلب نے ان کے ساتھ شام منائی تو راقم نے ان کی شاعری کے ایک پہلو پر مضمون پڑھا تھا۔ یہی مضمون اب ترمیم و اضافے کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہے۔

سید انصار حسین نفیس ۱۹۱۰ء میں یوپی کے ایک چھوٹے سے قصبے آیرایاں سادات ضلع فتح پور ہسوہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محکمہ پولیس میں ملازم اور متوسط درجے کے زمیندار تھے۔ نفیس کی ابتدائی تعلیم والد ہی کے زیرِ سایہ ہوئی۔ بعد میں ان کے بڑے بھائی انھیں گنگا پور سٹی (ریاست جے پور) لے گئے اور انھیں ریاست کوٹا (بوندی) کے ہربرٹ کالج میں داخل کرا دیا۔ ۱۹۲۹ء میں تعلیم ختم کر کے ریلوے میں ملازم ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان ہجرت کر آئے، جہاں کراچی، سکھر اور سمہ سٹہ کے سٹیشنوں پر بطور وائرلیس آپریٹر کے کام کرتے رہے۔ سمہ سٹہ میں ان کا قیام ۱۹۶۱ء سے ۱۹۷۰ء تک رہا۔ اس دوران وہ بہاول پور کی ادبی مجلسوں میں برابر شریک ہوتے رہے۔ ۱۹۷۰ء میں ریٹائر ہو کر کراچی منتقل ہو گئے، جہاں تادمِ واپسیں (۱۰ اپریل ۱۹۸۰ء) مقیم رہے۔ نفیس مرحوم بڑے منکسر المزاج تھے۔ اس کا اندازہ ان کے اس فقرے سے بخوبی ہو جاتا ہے جو انھوں نے اپنے مجموعۂ کلام "افکارِ نفیس" کے آخر میں لکھا ہے: "کلام اس قابل تو نہیں کہ اسے چھپواتا .... الخ" اور ان کا یہ مصرع بھی اس کی تصدیق کرتا ہے: ؎

راہِ سخن میں گردِ لیس کارواں ہوں میں

مرحوم نفیس کے فرزندِ ارجمند سید اشتیاق حسین کے مطابق مرحوم کو کراچی کے شعری و ادبی حلقوں میں ایک

ممتاز مقام حاصل تھا، لیکن انھیں کبھی شہرت اور نام و نمود کی تمنا نہیں رہی۔ انھیں گروہ بندی سے نفرت تھی اور اسی بنا پر وہ ہر جگہ عزت و احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ صبر و شکر اور قناعت کا یہ عالم تھا کہ زندگی کا بیشتر حصہ مصائب و مشکلات میں گزرا لیکن کبھی ہراساں نہ ہوئے اور نہ کبھی کوئی حرفِ شکایت زبان پر لاتے۔ دوسروں کے دکھ درد میں برابر کے شریک رہے لیکن اپنے دکھ کا کبھی اظہار نہ کیا حتیٰ کہ بسترِ مرگ پر بھی جہاں تک ممکن ہو سکا تیمارداروں کو زحمت دینے سے اجتناب کیا۔ غرض نفیس مرحوم ایک حلیم الطبع خلیق، بامروت، بااصول، خوش مذاق، بے لوث ہمدرد، باوضع، دیانت دار، فرض شناس اور علم دوست انسان تھے۔ اردو ادب پر کامل دسترس ہونے کے علاوہ انھیں انگریزی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ فارسی ادب میں بھی وہ خاصا دخل رکھتے تھے اور ان کا عام مطالعہ بھی وسیع تھا۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

ان کا ایک مجموعۂ کلام "افکارِ نفیس" کے نام سے کراچی سے شائع ہو چکا ہے جس کے آخر میں ان کے ایک ہم جماعت پروفیسر کرار حسین صاحب (سابق وائس چانسلر کوئٹہ یونیورسٹی) کا ان کے کلام پر مختصر لیکن جامع تبصرہ ہے۔ یہ مجموعہ جو ۱۹۷۶ء میں چھپا، نعتوں، قصائد، مناقب، قطعات، رباعیات، نوحہ جات، مراثی اور سلام پر مشتمل ہے۔ غزلیات کا مجموعہ ترتیب دے رہے تھے لیکن زندگی نے وفا نہ کی۔ توقع ہے اب ان کے فرزندِ گرامی اس کام کو انجام دیں گے۔

کراچی کے ایک انگریزی اخبار ڈیلی نیوز (۱۲ مئی ۱۹۸۰ء) میں ایک صاحب ایس۔ اے۔ ایچ نقوی نے نفیس مرحوم اور ان کی شاعری پر مضمون لکھا ہے۔ ان کے مطابق نفیس بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے۔ نقوی صاحب نے انھیں ذہین غزل گو، ایک اچھا مرثیہ نگار اور ماہر علم عروض قرار دیا ہے۔ اصل موضوع کی طرف آنے سے قبل ان کی غزلوں کے چند اشعار پیش کرنا چاہوں گا تاکہ اس صنف میں بھی ان کی پختگیٔ کلام اور جدتِ ادا کا پتا چل سکے:

اب تو کترا کے گزر جاتی ہے یوں بادِ صبا — کبھی گلشن پہ مرا حق نہ رہا ہو جیسے
عالمِ یاس میں اکثر یہ ہوا ہے محسوس — میرے نزدیک ہی موجود خدا ہو جیسے

ابھی خاکسترِ دل میں تڑپ ہے — سرِ طور آور جانا چاہتا ہوں

نشۂ زیست نے کیا کیا نہ ہوائیں باندھیں — ایک ہچکی نے مگر زیست کا حاصل کھولا
اُف وہ بیدادِ تغافل کہ نظر تک سے گریز — ہائے اُمید کہ جس نے لبِ سائل کھولا

نہ تھیں نیرنگیاں گلشن کی قسمت میں مری لیکن ــــــــ نسیمِ فصلِ گل تو ہی قفس تک آگئی ہوتی
قفس قفس پہ ضروری ہے پاسِ حسن نفیس ــــ جو اپنی حد سے بڑھے جل گئے وہ پروانے

(۲)

تشبیب کے لغوی معنی ایام شباب کی باتیں اور معشوق کی صفت کرنے کے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی آگ روشن کرنے کے بھی کیے ہیں۔ شعری اصطلاح میں اس سے مراد وہ چند اشعار ہیں جو شاعر قصیدے کے آغاز میں اپنے ممدوح کی مدح سے قبل عشق کے بیان میں کہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ ذکرِ معشوق سے آتشِ شوق کو بھڑکاتا ہے۔ تشبیب میں عشقیہ اشعار لانا عرب کے شعرا کا ڈھنگ تھا۔ ایران والوں نے ان کا تتبع کیا، پھر ایک جدت یہ کی کہ اپنے ملک کے ماحول کے مطابق قصائد کے شروع میں بہار کی آمد آمد کا ذکر کرنے لگے، یعنی قصیدے کے شروع کے اشعار میں موسم بہار کی مختلف انداز میں تصویر کشی کی جاتی، اسی وجہ سے تشبیب کو بہاریہ بھی کہا جانے لگا۔ نفیس مرحوم کے بیشتر قصائد کی تشابیب مؤخر الذکر انداز ہی میں ہیں اور یہ قصیدے زیادہ تر ائمہ رضی اللہ عنہم کی منقبت میں کہے گئے ہیں۔

اشعار میں مناظرِ فطرت کی تصویر کشی قدرے مشکل فن ہے۔ اس سے وہی شاعر صحیح طور پر عہدہ برآ ہو سکتا ہے جس کا مشاہدہ وسیع اور جسے زبان پر عبور حاصل ہو۔ نفیس مرحوم کے بہاریہ اشعار، جن میں مناظرِ قدرت کی عکاسی کی گئی ہے، پڑھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہر طرح سے اس فن میں پورے اترتے ہیں، وہ باغ و بہار کی منظر کشی اس طرح کرتے ہیں کہ ان کا قاری بھی خود کو ان کے ساتھ اس مقام پر کھڑا محسوس کرتا ہے جہاں وہ کھڑے ہیں اور جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں وہ (قاری) اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ دل نشین بیان، سادہ زبان، اچھوتی اور زندگی سے قریب تشبیہات اس پر مستزاد۔ خزاں کے موسم میں بھی اگر آپ یہ اشعار پڑھیں تو خود کو ضرور کسی ایسے خطے میں پائیں گے جہاں بہار ہی بہار ہے، اور یہی شاعر کا کمال ہے۔ باغ کی منظر کشی سے قبل بادلوں کی آمد آمد کا حسین و دلکش منظر ملاحظہ ہو:

اٹھا افق سے وہ مغرب میں سرمئی بادل ــــ کہ ہے یہ چشمِ فلک میں لگا ہوا کاجل
وہ آئی چہرۂ خورشید پہ ردائے سحاب ــــ ہوا سے اڑ کے پڑے رخ پہ جس طرح آنچل
وہ دیکھو سامنے میدان میں وہ چھائی گھٹا ــــ امید و بیم کی جس طرح دل میں ہو ہلچل
وہ بن کے رحمتِ باری سوئے چمن آئی گھٹا ــــ چلی وہ بادِ بہاری، جمودِ شوق سنبھل

اس تشبیب کے بقیہ اشعار پڑھنے سے پیشتر ذرا مندرجہ بالا اشعار میں لفظ "وہ" پر غور کیجیے۔ شاعر نے اس بظاہر معمولی سے لفظ کے استعمال سے اس منظر میں گویا جان ڈال دی ہے۔ پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ سب کچھ واقعی ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ پھوار پڑنے کے بعد زور سے بارش ہوئی اور سب جل تھل ہو گیا ہے۔ اس کے بعد کیفیت ملاحظہ ہو۔ سبزہ دُھل کر مخمل کی طرح نظر آرہا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ فطرت ایک حسینہ ہے جو اپنی زلفیں لہرا رہی اور دیکھنے والوں کا دل موہ رہی ہے، اور ہوائیں جیسے، بقول غالب، شراب کی تاثیر ہو کہ ٹہنیاں اور پھول اس طرح لچک اور جھوم رہے ہیں جیسے کوئی مست گرے لیکن جلد ہی سنبھل جائے۔ موسم بہار نے صرف انسانوں ہی پر جادو نہیں کیا، پرندے بھی مستی کے عالم میں نغمے الاپ رہے ہیں۔ غرض تمام کائنات پر بہار نے سحر و افسوں پھانک رکھا ہے:

وہ دھل کے پانی سے آیا نکھار سبزے پر — تمام جیسے بچھی ہو ہری ہری مخمل
رُخِ حسینۂ فطرت پہ زلف لہرائی — سرک رہا ہے عروسِ بہار کا آنچل
وہ ٹہنیوں کی لچک جھومنا وہ پھولوں کا — کہ جیسے مست کوئی گرتے گرتے جائے سنبھل
وہ قمریوں کی صدا، شور وہ پپیہوں کا — وہ کوکتی ہے کہیں کنج میں چھپی کویل

نفیس مرحوم نے ایک اور منقبت میں ایک قصیدہ کہا ہے۔ اس کا بہاریہ محسن کاکوروی کے نعتیہ قصیدے:

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل — برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل[1]

---

[1] سب سے پہلے غالباً سودا نے اس زمین میں اشعار کہے ہیں۔ اس کا یہ قصیدہ حضرت علیؓ کی منقبت میں ہے۔ اس کے شروع کے چند اشعار ایرانی ماحول کی عکاسی کرتے ہیں، اور ایک آدھ جگہ فارسی اور ہندی لفظوں کے درمیان اضافت استعمال ہوتی ہے جو قواعد کی رو سے بھی غلط ہے اور ذوقِ سماعت پر بھی گراں گزرتی ہے (مثلاً پوششِ چھینٹ)۔ جب کہ نفیس کے یہاں اپنا ماحول بھی ہے اور الفاظ بھی سادہ ہیں یعنی کسی بھی قسم کا بوجھل پن ان میں نہیں ہے: سودا کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

اٹھ گیا بہمن و دَے کا چمنستاں سے عمل — تیغِ اُردی نے کیا ملکِ خزاں مستاصل
قوتِ نامیہ لیتی ہے نباتات کا عرض — ڈال سے پات تلک پھول سے لے کر تا پھل
واسطے خلعتِ نوروز کے ہر باغ کے بیچ — آ بجو قطع گل کرنے مدتش پہ مخمل
بخشتی ہے گل نورستہ کی رنگ آمیزی — پوششِ چھینٹ قلمکار [illegible] و جبل

[illegible] ص ۲۳۱ ج ۱

کی یاد دلاتا ہے۔ محسن نے اپنے بہاریہ میں زیادہ تر ہندی الفاظ پر تکیہ کیا ہے۔ مثلاً:

جوگیا بھیس کیے، چرخ لگائے ہے بھبوت یا کہ بیراگی ہے پربت پہ بچھائے کمبل

لیکن نفیس نے ایسے الفاظ کے استعمال سے اجتناب برتا ہے، جس سے ان کے اشعار میں زیادہ سلاست و روانی آگئی ہے۔ ان اشعار میں دل نشین، منظر کشی بھی ہے اور جذبات نگاری بھی۔ کالی بدلیوں میں بگلوں کی قطاریں، کہیں موسلا دھار بارش اور کہیں فقط پھوار، سبزے کا دُھلنا وغیرہ ایسے مناظر ہیں جو خواہ مخواہ انسان کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ پھر بہار کے موسم میں ایک مردہ دل میں بھی جذبات اور تمنائیں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں اور وہ ایک انجانی بیکلی سے دوچار ہو جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کی منظر کشی نفیس مرحوم نے بڑے استادانہ رنگ میں کی ہے۔ ان کے اس قصیدے کا بہاریہ ایسا دل نشیں اور اس قابل ہے کہ تمام کا تمام یہاں پیش کیا جائے:

پیارا پیارا ہے سماں چھائے ہیں کالے بادل اور جذبات کی دنیا میں مچی ہے ہلچل
دشت و کہسار نظر آتے ہیں کیسے دلکش چادرِ ابر کا آیا جو سروں پہ آنچل
کالی بدلی میں وہ بگلوں کی قطاریں جیسے نیلیِ ابر کے سینے پہ پڑی ہو ہیکل
ہلکی ہلکی ہیں پھواریں تو کہیں موسلا دھار دیکھتے دیکھتے ہر سمت ہوا ہے جل تھل
سوندھی سوندھی یہ ہوائیں یہ سہانا موسم کچھ عجب کیف کا عالم ہے کہ دل ہے بیکل
وجد میں جھوم رہے ہیں وہ درختانِ چمن پھول پودوں پہ لدے ہیں کہیں اشجار پہ پھل
نونہالانِ چمن شاد ہیں سرشار ہیں سب باغ تو باغ ہیں فردوسِ نظر ہیں جنگل
سبزہ پھیلا ہوا تا حدِ نظر ہے ہر سُو خشک اشجار میں بھی پھوٹ رہی ہے کونپل
پَر نکل آئے ہیں کیا سبزۂ خوابیدہ کے صحنِ گلشن میں جو اُڑنے لگا بن کر ہریل
رنگ و بو دونوں ہیں مصروفِ سرور افزائی کھُب کے وہ آنکھ میں یہ رہ کے نظر سے اوجھل
دردانگیز صدائیں ہیں پپیہوں کی کہیں نالۂ ہجر سناتی ہے کہیں پہ کویل
لائی ہے دوش پہ سامانِ جنوں بادِ صبا قلبِ مہجور کو اب چین نہیں ہے اک پل

مذکورہ بالا اشعار میں سے بیشتر اشعار محاکات کا عمدہ نمونہ ہیں۔

محاکات کے معنی، جیسا کہ مولانا شبلی نے لکھا ہے، کسی چیز یا کسی حالت کا اس طرح ادا کرنا ہے کہ اس

چیز کی تصویر آنکھوں میں پھر جائے، یعنی جس شے کا بیان کیا جائے اس طرح کیا جائے کہ خود وہ شے مجسم ہو کر سامنے آجائے۔ اس سے شعر میں ایک خاص تاثیر پیدا ہوتی ہے اور پڑھنے والا عجیب لطف و انبساط محسوس کرتا ہے[۲۵]۔ نفیس مرحوم کے اکثر بہاریے محاکات کی اس تعریف پر بڑی حد تک پورے اترتے ہیں۔ ان کے محاکمات کا ایک اور اچھوتا اور دل کش نمونہ درج ذیل ہے:

صبح کے وقت ہوا چلتی ہے تو اس سے کہیں کوئی شاخ لہلہاتی ہے اور کہیں پھول کھلتے ہیں۔ اگر کوئی مصور اس منظر کی تصویر کشی کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے یہ ناممکن ہوگا، لیکن نفیس نے الفاظ کے موقلم سے اس منظر کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ ان کا قاری اپنے سامنے ہوا کو گویا چلتے، پھولوں کو کھلتے اور شاخوں کو ہلتے ہوئے محسوس کرتا اور دیکھتا ہے:

نسیمِ صبح آہستہ چلی سیرِ گلستاں کو — کہیں اس گل کو تھپکا اور کہیں وہ شاخ لچکائی

یہاں فارسی کے مشہور شاعر قاآنی کے یہ اشعار یاد آ رہے ہیں جن میں ہوا کی تصویر کشی اسی انداز میں ہوئی ہے:

نرمک نرمک نسیم زیر گلان می خزد — غبغب این می مکد عارض آن می مزد
سنبل این می کشد، گردن آن می گزد — گہ بہ چمن می چمد گہ بہ سمن می دود
گاہ بہ شاخ درخت گہ بہ لب جویبار

(ہلکی ہلکی ہوا آئی، پھولوں میں گھسی، کسی پھول کا گال چوم لیا، کسی کی ٹھوڑی چوس لی، کسی کے بال کھینچے کسی کی گردن دانت سے کاٹی، کیاریوں میں کھیلتے کھیلتے چنبیلی کے پاس پہنچی اور درخت کی ٹہنیوں میں سے ہوتی ہوئی نہر کے کنارے پہنچ گئی)۔

نفیس مرحوم کے مذکورہ بہاریے کے بقیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

شعاعِ مہر نے آ کے ردائے شب جو سرکائی — عروسِ صبحِ رنگیں مسکراتے سامنے آئی
ہوئی کافور تاریکی زمین و آسماں نکھرے — یہ دنیا اک مرقعِ حسن و خوبی کا نظر آئی
افق میں لکہائے ابرِ زریں جھوم کر اٹھے — سنہرا شامیانہ بن گیا ہے چرخِ مینائی

---

[۲۵] شعر العجم جلد ۳ (مطبوعہ لاہور)، ص ۱۰ بعد

سکوں پہ ہے خوشی اور یہ جشن و کیف کا عالم — زمیں پہ آج گویا باغِ جنت سے بہار آئی
افق سے تا افق دنیا ہے یک جشنِ رنگیں گویا — دلوں میں لے رہا ہے جذبۂ تحمید انگڑائی
طیورِ خوش نوا مصروف ہیں نغمہ سرائی میں — کسی نے "دیس" چھیڑا اور کسی نے بھیرویں گائی
نسیمِ صبح آہستہ چلی سیرِ گلستاں کو — کہیں اس گل کو تھپکا اور کہیں وہ شاخ لچکائی
زمیں سے آسماں تک دھوم ہے مسرت کا — نہ جانے آج کس تقریب میں ہے جشن آرائی
چمن پہلے بھی تھے لیکن نہ تھی یہ تازگی ان میں — یہ گل رنگین تو تھے لیکن نہ تھی ان میں یہ رعنائی

"جشنِ ولادت سیدۃ کونین" کے عنوان سے جو قصیدہ لکھا گیا ہے۔ اس کا آغاز بھی بہاریہ سے ہوا ہے۔ شاعر نے مناظرِ قدرت کی دلکش و پُر تاثیر تصویر کشی میں خیال بندی، مضمون آفرینی، ندرتِ تشبیہ، سلاست و روانی اور جدتِ ادا سے کام لینے کے ساتھ ساتھ ایسی فضا تیار کی ہے جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ جس ذات والا صفات کا آگے چل کر ذکر ہونے والا ہے، اس کی ولادتِ مبارکہ عناصرِ فطرت کے لیے بھی باعثِ مسرت و شادمانی ہے۔ بہار کا نئے انداز میں آنا، دیدۂ نرگس کا چشمِ حیرت بن کے مصروفِ انتظار ہونا، بند کلیوں کی کیفیتِ ذوق، دست بستہ کونپلوں کی بے قرار تمنا ایسی صورت، شبنم کا موتی نثار کرنا، بادِ صبا کا مستانہ وار رقص اور غنچوں کا نویدِ جاں فزا سن کر بار بار مبارک باد دینا یہ سب کسی عظیم خوش خبری کا پیش خیمہ ہے:

اک نئے انداز سے عالم میں آئی ہے بہار — گو وہی دنیا وہی ہے گردشِ لیل و نہار
چشمِ حیرت بن کے ہے محوِ تماشہ اس طرح — دیدۂ نرگس کو جیسے تھا اسی کا انتظار
گلعذارانِ گلستاں حمدِ باری میں ہیں مست — خوش نوایانِ چمن مصروفِ حمدِ کردگار
حسن شبنم سے گل فروزاں تر ہے نورِ صبح سے — کچھ نکھرتا جا رہا ہے اور بھی رنگِ بہار
بند کلیاں جیسے دل ہنگامِ ذوقِ بے پناہ — دست بستہ کونپلیں جیسے تمنا بے قرار
مخملیں سبزے پہ بکھرے ہیں بہ اندازِ حسیں — وہ جو شبنم نے کیے تھے رات بھر موتی نثار
نکہتِ گل سے معطر پیچ و خم کھاتی ہوئی — رقص میں بادِ صبا ہے ہر طرف مستانہ وار
کیا نویدِ جاں فزا لے کر صبا آئی ہے آج — جس کو سن کر تہنیت دیتے ہیں غنچے بار بار

اسی طرح قصیدہ "جشنِ ولادت امام حسینؓ" میں بھی کچھ ایسی ہی فضا قائم کی گئی ہے، البتہ

مناظرِ قدرت کی تصویر کشی میں کسی قدر فرق ہے:

مسرتوں سے ہے معمور کیوں فضائے جہاں — دمک رہے ہیں یہ کس نور سے زمین و زماں

صبا نے کون سا نغمہ سنا دیا آ کر — کہ خندہ زن ہوئے گُل، مسکرا اٹھیں کلیاں

شجر ہیں کس کے لیے سرو قد یہ استادہ — ہیں کس کے آنے سے مسرور لالہ و ریحاں

مہک رہے ہیں خیاباں میں رنگ رنگ کے پھول — چہک رہے ہیں کہیں پر طیورِ خوش الحاں

وہ شاخِ گل کی لچک شور وہ عنادل کا — یہ مستِ حمدِ خدا ہے وہ صرفِ سوزِ نہاں

وہ بارِ برگ و ثمر سے لدی ہوئی شاخیں — سرِ نیاز جھکائے ہوئے ہیں سجدہ کناں

یہ آسمان پہ نکلی ہوئی ہے قوسِ قزح — کہ عکسِ سبزہ و گل کا ہے آسماں پہ سماں

بطورِ خاص ہے سیرابیٔ چمن کا خیال — اُدھر ہے بارشِ شبنم اِدھر ہے نہر رواں

یہ کس حسین کی گلستاں میں آج آمد ہے — کہ ہے فضا مترنم، بہار ہے رقصاں

جیسا کہ پہلے بیان ہوا، نفیس مرحوم نے جتنے بھی بہاریے کہے ہیں ان سب میں اچھوتی، زندگی سے قریب اور دل نشین و دل قریب تشبیہات و استعارات بکثرت ہیں جو ان کے وسیع مطالعہ، قدرتِ بیان اور جدت طرازی پر دال ہیں۔ ایسی کئی مثالیں اوپر گزر چکیں، چند دیگر مثالیں ملاحظہ ہوں۔ قصیدہ "در مدحت جناب امام زین العابدینؑ" سے چند اشعار:

ہے اسیری کی اسے وحشت نہ زنداں کا خیال — کہہ رہی ہے صاف، بلبل کی نوائے دلنشیں

ڈھونڈتی ہیں نرگسِ بیمار کی آنکھیں کسے — کس کی آمد ہے چمن میں راز کچھ کھلتا نہیں

پوچھتا اس سے، مگر سبزہ ابھی خوابیدہ ہے — انتظامِ گلستاں کی کچھ خبر اس کو نہیں

ہے یہ کیا تقریب کچھ تو ہی سنا بادِ صبا — نرم کیوں خورشیدِ خاور کی ہے چشمِ آتشیں

در ولادت حضرت عباسؑ سے

ہے سروِ سہی قد، لیے سبز پرچم — کہ غازی ہے کوئی یہ دشتِ وغا میں

بس یوں گلوں میں ہے خوشبو کہ جیسے — محبت خدا کی دلِ پارسا میں

یہ شبنم کے قطرے ہیں لرزاں گلوں پر — کہ موتی ٹکے ہیں یہ گلگوں قبا میں

اور:

ہوئی جو فصل خزاں کی چمن سے پسپائی بہار کی ہوئی سرسمت کار فرمائی
وہ سبزہ زار چمن کی لہک، گلوں کی مہک نفس نفس وہ صبا کی شمیم افزائی
نمو کا شوق اب اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ عکس سبزہ بھی پانی پہ بن گیا کائی
نظر نظر کو لبھاتی ہوئی گلوں کی پھبن کلی کلی کی ادا، دشمن شکیبائی

الفہرست

محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق ——— اُردو ترجمہ: محمد اسحاق بھٹی

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری تک کے علوم و فنون، سیر و رجال اور کتب و مصنفین کی مستند تاریخ ہے۔ اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں، قرآن مجید، نزول قرآن، جمع قرآن اور قرائے کرام، فصاحت و بلاغت، ادب و انشا اور اس کے مختلف مکاتب فکر، حدیث و فقہ اور اس کے تمام مدارس فکر، علم نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و حساب، سحر و شعبدہ بازی، طب اور صنعت کیمیا وغیرہ تمام علوم، ان کے علما و ماہرین اور اس سلسلے کی تصنیفات کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں واضح کیا گیا ہے کہ یہ علوم کب اور کیونکر عالم وجود میں آئے۔ پھر ہندوستان اور چین وغیرہ میں اس وقت جو مذاہب رائج تھے ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ اس دور میں دنیا کے کس کس خطے میں کیا کیا زبانیں رائج اور بولی جاتی تھیں اور ان کی تحریر و کتابت کے کیا اسلوب تھے۔ ان کی ابتدا کس طرح ہوئی اور وہ ترقی و ارتقا کی کن کن منازل سے گزریں۔ ان زبانوں کی کتابت کے نمونے بھی دیے گئے ہیں۔

ترجمہ اصل عربی کتاب کے کئی مطبوعہ نسخے سامنے رکھ کر کیا گیا ہے اور جگہ جگہ ضروری حواشی دیے گئے ہیں جس سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔

صفحات ۹۳۶ مع اشاریہ قیمت -/۴۵ روپے

ملنے کا پتا: ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور